

محمد خاں ایم۔ لن۔ اے۔ کی جانب مبذول رہے۔ مہمانوں کی عزت افزائی کی خاطر صاحبزادہ صاحب کے حکم کی لفظ بہ لفظ تعمیل کرنا قوالوں کے دستور میں شامل تھا۔

پھوٹی قناتوں کے کمرے سے باہر بڑی قناتوں اور وسیع نخبوؤں کے حلقے میں عام لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ پر دریاں بکھی تھیں۔ ان دریاؤں کے عین بیچ میں پچیس کے قریب درویش لڑکے رطلوں پر قرآن مجید کی جلدیں کھولے ہل کر تلاوت کر رہے تھے۔ باقی جگہ فی الحال خالی تھی، جہاں کچھ بچے کھیل کود میں مصروف تھے۔ ہر طرف ایک گہما گہمی کا عالم تھا۔ ختم چہلم کی انتظار ہو رہی تھی۔

صاحبزادہ سلامت علی شاہ کا ظہور :-

نجرے کے اندر جس کے گرداگرد مزار کی عالیشان عمارت کی تعمیر کے سلسلے میں کھدائی کا کام شروع ہو چکا تھا، صاحبزادہ سلامت علی شاہ بمطابق رسم و ستار بندی و کذی نشینی تیار ہو رہے تھے۔ اُن کے ساتھ چوہان برادران کے سنبھلے چوہدری ہاشم علی چوہان کے علاوہ پیر صاحب کے پرانے خادمین اور معتبر مرید موجود تھے۔ پیر صاحب کرامت علی شاہ کی وفات کے بعد ان معتمدین میں ایک نام کا اضافہ ہوا تھا۔ یہ بریگیڈئیر (ریشائڈ) ارشاد احمد خاں تھے جو فوج سے پنشن یافتہ ہو کر خالص دینی زندگی کو اپنا چکے تھے۔ بریگیڈئیر (ریشائڈ) صاحب عرصہ چند سال سے پیر صاحب مرحوم کے حلقہ اراوت میں داخل تھے۔ پیر صاحب کی وفات کے فوراً بعد بریگیڈئیر (ریشائڈ) ارشاد احمد خاں نے موقع دیکھتے ہی صاحبزادہ سلامت علی شاہ سے یکے بعد دیگرے کئی ملاقاتیں کی تھیں۔ انہی نے صاحبزادہ صاحب کو پیر صاحب مرحوم و مغفور نے ایک سے زائد بار اس خوابش کا اظہار کیا تھا کہ پیر صاحب بریگیڈئیر (ریشائڈ) صاحب اُن کے فرزند صاحبزادہ صاحب کو مزید تربیت و غرض سے اپنی مشاورت سے مستفید کرس اور آئندہ زندگی، خاص طور پر سیاست کے سلسلے میں اُن کے صلاح کار بنیں۔ لیکن اُس وقت چونکہ وہ فوج کی ملازمت میں تھے۔ اس لئے کار آمد ثابت نہ ہو سکے تھے۔ اب جبکہ ریٹائر ہوئے کاسوں سے فراغت پا چکے تھے، اپنی خدمات پیش کرنے کے واسطے ہونے لگے تھے، تاکہ جو کام اُن کے لائق سمجھا جائے سپرد کیا جائے۔ صاحبزادہ سلامت علی

2009/08/27 22:08

گو عمر کے انیس سال تھے مگر دماغ انہوں نے اس سے دگنی گدنی عمر کا پایا تھا ، آسانی سے کسی کی باتوں میں نہ آنے والے تھے ۔ مزید برآں لاہور کے اندر کالج کی چار سالہ زندگی نے انہیں بے مثل تجربے کا علم عطا کیا تھا ۔ نتیجے کے طور پر وہ اپنی کم عمری کے باوجود ایک ایسے انسان کا فہم رکھتے تھے جو ایک نظر میں صورت حال کی تہہ تک پہنچ جاتا تھا ۔ اور اس کے امکانات کا جائزہ لیکر اس کے محور کو گرفت میں کر لینے کی قوت رکھتا تھا ۔ خاص طور پر والد کی وفات کے بعد ان چار چھ ہفتوں میں انہوں نے جتنی تیزی سے اعتماد نفس حاصل کیا تھا وہ حیران کن تھا ۔ وہ اپنے باپ کی نسبت قطعی مختلف قسم کے آدمی تھے ۔ یہ صاحب مرحوم کی زندگی ہزاروں ہیچ دار راستوں سے گزر کر تھم ہوئی تھی ۔ اپنی حیات کے دوران انہوں نے عالی ترہین رتبہ پایا تھا ۔ اس کے باوجود ان کے اندر ایک ملگجھا ماضی رکھنے والے آدمی کا عدم اعتماد تھا جو جانے نہ جاتا تھا ، اور جو آخر اُن کو زندگی کے ایسے مقام پہ لے آیا تھا جہاں اس کے نازک تار جھنجھکا کر ٹوٹ گئے تھے ۔ ان کے مقابلے میں صاحبزادہ سلامت علی کے نفس میں کسی نئے یقینی کی کیفیت ڈھونڈے نہ ملتی تھی ۔ اُن کی زندگی ایک ایسے دُوب پہ استوار ہوئی تھی کہ معلوم ہوتا تھا گویا خود اعتمادی اور خود راستگی انہیں ورثے میں ملی ہو ۔ اسی وجہ سے باپ کی موت نے گو انہیں صدمہ پہنچایا تھا مگر یہ واقعہ ان کے لئے ایک سانحہ ثابت نہ ہوا تھا ۔ صرف ایک آدھ روز کے لئے اُن کے دل پہ سخت تعجب کی کیفیت طاری رہی تھی کہ آخر کیوں اُن کے والد بغیر کسی ظاہری علامت کے اچانک فوت ہو گئے تھے ۔ صاحبزادہ کی سمجھ سے یہ بات بالاتر تھی ۔ مگر اس بات پہ انہوں نے مزید وقت ضائع نہ کیا تھا ۔ کفن و دفن کے بعد چند روز کے اندر ہی انہوں نے دوبارہ اور اس کے وسائل کا تمام نظم و نسق اپنے قابو میں کر لیا تھا ۔ جب بریگیڈئیر (رٹائرڈ) ارشاد احمد خاں نے اُن سے بات کی تو صاحبزادہ سلامت علی شاہ اُن کے انداز گفتگو اور طرز خیال سے حیرت ہونے لگا ۔ فوج کے محکمہ سپلائی میں بریگیڈئیر (رٹائرڈ) صاحب کے طویل تجربے کو دیکھتے ہوئے صاحبزادہ صاحب ان کے امکانات کو ایک نظر میں بھانپ گئے اور دوبارہ ملاقات کی خواہش ظاہر کی ۔ اس طرح چند ملاقاتوں کے بعد صاحبزادہ بریگیڈئیر (رٹائرڈ) کو اپنا مشیر خاص مقرر کر لیا ۔ اب وہ بیشتر معاملات میں بریگیڈئیر (رٹائرڈ) صاحب سے صلاح مشورہ لیتے رہتے تھے ۔

2009/08/27 22:00

مجرے میں صاحبزادہ سلامت علی باہر آنے کے لئے تقریباً تیار ہو چکے تھے۔ جو لباس انہوں نے زیب تن کیا تھا اُس کی تیاری میں انہوں نے دو روز تک عرق ریزی کی تھی۔ سب سے پہلے ان کے خیال کے مطابق یہ ضروری تھا کہ سلسلہ کرلتیہ کا اپنا نشان وضع کیا جائے جس سے اس کی خاص پہچان قائم ہو۔ کسی اور پر بھروسہ کرنے کی بجائے صاحبزادہ نے بذاتِ خود رات بھر جاگ کر اس کا ڈیزائن تیار کیا تھا، جو یوں تو سبز پس منظر میں چاند اور چند ستاروں پر مشتمل تھا، مگر اس کی ترتیب ایسی تھی کہ نظر اس پہ جم جاتی تھی۔ پھر وہ دستار کی جانب متوجہ ہوئے۔ لڑکپن کے زمانے میں ایک بار انہوں نے کسی کتب میں حیدر آباد دکن کے نظموں کی تصویریں دیکھی تھیں اور اُس وقت سے اُن کی دستاریں صاحبزادہ کے دل پہ لگی ہوئی تھیں۔ انہوں نے معمولی روو بدل کے ساتھ اس کی تصویر بنائی اور اپنے درزی کو بلا کر ہدایات دیں۔ دو روز کے بعد جب درزی دستار کو لے کر جس کے ماتھے پر سلسلہ کرلتیہ کا نشان کاڑھا ہوا تھا، حاضر ہوا اور صاحبزادہ نے اسے سر پہ جما کر شیشے میں اپنا عکس دیکھا تو انہیں محسوس ہوا جیسے دنیا بھر کی دولت انہیں مل گئی ہو۔ اس وقت مجرے کے اندر اپنے مریدوں میں گھرے ہونے وہ اُسی دستار کو سر پہ رکھے، سفید سلک کی شیروانی اور سفید شلوار پہنے کھڑے تھے تو ان کے چہرے پہ ایک ایسا جمال اور جلال جھلک آیا تھا کہ بارہ آدمیوں کے اُس جگمگنے پر اچانک خاموشی چھا گئی۔ ایک ایک نے اپنی زبان روک لی اور دو منٹ تک ایسے مبہوت کھڑے رہے کہ صرف سانس کی آواز سنائی دیتی رہی۔ اس سناٹے میں صاحبزادہ سلامت علی شاہ نے بے اختیار اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اس ہاتھ کی درمیانی اُٹھکی میں پیر صاحب مرحوم کی لباس جڑی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ ان کے بدن پر صرف یہی کچھ شے تھی جو صاحبزادہ سلامت علی نے اپنے باپ سے مستعار لی تھی، باقی سب ان کا اپنا تھا۔ جب اُن بارہ آدمیوں نے اپنے سامنے وہ انگوٹھی دیکھی تو سب کے سامنے اس طرح ایک ساتھ خم ہو گئے جیسے اُن پہ کوئی ان دیکھا دیہہ۔ کیا ہو۔ ان کے پیچ سے 'ہنس' کی مختصر سی آواز پیدا ہوئی جیسے کہ ان کا مجموعی سانس ایک لٹھے کو رک گیا ہو۔ سب سے پہلے بریگیڈئیر (رٹائرڈ) ارشد احمد نے اپنے گھٹنوں پہ گر کر اُس ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑا، اُسے چوم کر ان سے کہیا، اور اُٹھ کر پچھلے قدموں چلتا ہوا پیچھے جا کھڑا ہوا۔ اُس کے بعد

باشم علی پوہان اور پھر باقی کے دس آدمیوں نے مکمل خاموشی کے اندر وہی عمل دہرایا۔ جب آخری آدمی جا کر اُن میں شامل ہو گیا تو صاحبزادہ نے ہاتھ ہوا میں اٹھا کر ہٹکا سا لہرایا، اُسی طرح جیسے انہوں نے اپنے والد کو کرتے ہوئے دیکھا تھا، جس سے مقصد قبولیت، اور ساتھ ہی الوداعی اشارہ دینے کا تھا۔ اس اشارے پر بارہ کے بارہ ایک لفظ بولے بغیر پچھلے قدموں چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ یہ بارہ آدمی، صاحبزادہ نے سوچا، آنے والے سالوں میں اُن کے مستخدمین خاص ہوں گے، جن پر وہ اپنی جان تک کا بھروسہ کر سکیں گے۔ کچھ دیر میں، انہوں نے تصور کیا، باہر احاطے کے بیچ ہزاروں لوگ اسی عمل سے گزر رہے گے۔ آج معززہ عورتیں کی مہمانداری میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی جائے گی۔ پھر چند سال کے اندر، صاحبزادہ نے اپنے دل میں کہا، میں انہی کے میدانوں میں ان کو پچھاڑ کے رکھ دوں گا۔

برگیڈئیر (ریشاٹروڈ) ارشاد احمد خاں نجرے سے بھٹنے والے آخری شخص تھے۔ جب باہر نکل کر انہوں نے دروازہ بند کیا تو کمرے کے اندر صاحبزادہ سلامت علی شاہ اکیلے کھڑے رہ گئے۔ نجرے میں خاموشی تھی، اور باہر کی دنیا کو دروازے کے دوسری طرف آباد تھی تاہم بہت دور کے فاصلے پر بستی ہوتی معلوم ہوتی تھی۔ اُس وقت دفعتاً اُن کے دل سے ہراس کا ایک لرزتا ہوا لحظہ گزرا جس کے اندر انتہا کی قوت، انتہا کی ذمہ داری اور انتہا کے اکیلے پن کا احساس ملا جلا ہوا تھا۔ ان کے سینے کے اندر یکدم ایک مردنی کا سیاہ پردہ کھینچ گیا، جس کے اندھیرے میں اُن کی آنکھیں دیکھنے کے قابل نہ رہیں۔ پھر اس سائے میں آہستہ آہستہ ہلتی سر اٹھاتی ہوئی زندگی نمودار ہونے لگی۔ مردنی کا وہ احساس گزر گیا، گو وہ لمحہ اپنے پیچھے یہ تاثیر چھوڑ گیا کہ سلامت علی کی زندگی پہ اب اس کا سایہ اٹل ہو چکا تھا۔

اب ایک عجیب سا سرور صاحبزادہ کے دل سے نکل کر بدن میں منتقل کرنے لگا تھا۔ اُن کا خیال بٹتا گیا۔ ان پانچ ہفتوں کے اندر انہوں نے اپنے میں بیٹھ کر اپنی ولایت کو (جسے وہ قریبی دوستوں کے حلقے میں اپنی ولایت چونسنی کے نام سے پکارتے تھے) جدید خطوط پر رضع کرنے کی ٹھان لی تھی۔ مقصد کے واسطے انہوں نے اپنے دماغ میں کئی منصوبے تیار کئے تھے۔ ایک اہم منصوبے کے بارے میں برگیڈئیر (ریشاٹروڈ) ارشاد احمد خاں کے ساتھ اپنی

2009/08/27 22:09

مختصر بات چیت اس طرز پر ہو چکی تھی :

صاحبزادے صاحب: پچھلے پندرہ سالوں کے دوران میں سندھ، بلوچستان اور سرحد کا چکر لگا چکا ہوں وہاں پہ میں نے دیکھا ہے کہ رنوخ پیدا کرنے کے مختلف وسائل میں ایک اشد ضروری وسیلہ پیرو کاروں کی تیاری کا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

بریگیڈئیر (ریشاڑڈ): بالکل سر۔ ٹھیک فرمایا۔

ص۔ ص: تو آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں؟

ب (ر): سر بالکل متفق ہوں۔ کسی کا قول بھی ہے کہ طاقت بندوق کی نالی سے پھوٹتی ہے۔

ص۔ ص: (مسکراتے ہوئے): آپ نے کیونسٹوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے؟

ب (ر): سر ملازمت کے دوران کچھ کورسز میں ریفرنس کے طور پر پڑھائی گئی تھی۔ اس سے زیادہ کا علم نہیں رکھتا۔

ص۔ ص: ان کا فلسفہ تو دہریہ خیالات کی بنیاد پر ہے۔ مگر ان کی پارٹی کی تنظیم

لا جواب ہے۔ ہمیں بُرے لوگوں کی اچھی باتیں اپنانے میں حد نہیں ہونی چاہیے۔

ب (ر): بالکل نہیں سر۔ اس ضمن میں تو ایک حدیث بھی مؤید ہے۔

ص۔ ص: (بات کاٹ کر): ہمارے کچھ کا انفراسٹرکچر ہزاروں سال پرانا ہے۔

اسے قائم رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔

ب (ر) (جوش سے): بالکل سر۔ ہمارے کچھ کے مقابلے میں دنیا کا کوئی کچھ

نہیں ٹھہر سکتا۔ سب دوسرے کچھ بتوں کے فرامودہ ہیں۔ جدا کچھ اللہ تعالیٰ

کا بخشا ہوا ہے۔

صاحبزادہ سلامت علی شاہ نے ارادہ کر لیا تھا کہ ضروری کاموں سے

کر جلد از جلد ایسی تنظیم کا احیاء ہو گا اور اسے بریگیڈئیر (ریشاڑڈ) نے

خاں کی سربراہی میں دے دیا جائے گا۔

اب وہ ہلکا سا سرور جس کی دھاری اُن کے دل سے پھوٹی تھی

آہستہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک اُن کے سارے بدن پر

پھیل چکا تھا۔ پھر کلک جیسے کشاکش کر کے کوئی پوشیدہ دروازہ کھیں

اُس سرور کی رو کے نیچے نیچے ایک اور بہر اچھال مار کے بھگی اور روانہ ہوئے۔

اس بہر کے اندر صنفِ نازک کے برہنہ بدنوں کا تلخ مذاق تھا۔

2009/08/27 22:09

احساس میں، اس تفلذ کے اندر نرسین اور اُس کی ہم ذات قوم کی جانب ایک پُر لطف کہورت کا مادہ شامل تھا جو تفلذ کے اثر کو دوہلا کر رہا تھا۔ صاحبزادہ سلامت علی کے لبوں پر ایک لطیف مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہیں چند روز پہلے کا وہ واقعہ یاد آگیا جب دوکسان، صاحبزادہ کی موجودگی سے بے خبر، آپس میں باتیں کرتے ہوئے باہر سے گزر رہے تھے۔

”میس کاؤں کے اندر جو میڈار اٹھتی ہے کہتی ہے صاحبزادہ سلامت علی کے ساتھ سوؤنگی۔“

انہوں نے دوبارہ قدِ آدمِ شیشے کے مقابل کھڑے ہو کر ایک نظر اپنے پورے عکس پر ڈالی، اور باہر کو چل دیے۔ نچرے کے فرش کا چند قدم راستہ پار کرنے پر صاحبزادہ سلامت علی شاہ، سجادہ نشین، گویا اپنے گھر سے نکل کر وطن عزیز کی زندگی کا کھیل کھیلنے تک کے سفر کا آغاز کر چکے تھے۔ دروازہ کھول کر جب انہوں نے باہر قدم دھرا تو اُن کے اندر یہ انتِ احساس پیدا ہو چکا تھا کہ اُس بچے کے دل نے بالآخر ایک ایسے جادو تک رسائی حاصل کر لی تھی جو سب جادوؤں سے زیادہ قوی اور جادواں تھا۔

اُس روز کی ایک اور حکایت بیان کی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اُس دن صبح سویرے مافی سروری نے اپنے لہف کی گدڑی اپنے اوپر سے اتار پھینکی اور چلا چلا کر اصرار کرنے لگی کہ اُسے نہلایا دھلایا جائے۔ اس پر صاحبزادہ سلامت علی شاہ کی اتناں بھی، کہ جیسے کوئی نیند سے بیدار ہو جائے، اگر اُس کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ پھر وہ دونوں مل کر نہانیں، نہانے کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کو نئے کپڑے پہنائے، بالوں میں تیل ڈالا اور کھنکھی کی۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اُس روز اُن دونوں کے چہروں پر ایک پُر سکون نور تھا کہ منظرِ بیتی تھی۔ اس حکایت کی صحت کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ البتہ ایک بات مصدقہ تھی، کہ اُس دن سے مافی سروری نے اُٹھ کر چلنا پھرنا اور اپنے کام کاج کرنا شروع کر دیا تھا۔ کپڑے پہنے بھی کہتے تھے کہ مافی سروری کے سر میں کالے بال اور منہ میں تے دھننے لگے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ختم شد